ذولے پنیاں

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی زندگی میں خوشی وغمی کے مواقع ولمحات رکھے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کیلئے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے کہ وہ خوشی کا اظہار کرے یا غم کا۔ کیونکہ ایک ہی وقت اور لمحہ میں خوشی وغمی کا امتزاج عجیب کیفیت پیدا کردیتا ہے۔ یہی صورتحال گذشتہ دنوں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی انتظامیہ، اساتذہ کرام اور طلبہ کو پیش آئی کہ جب جامعہ کے ایک عظیم محسن، ملنسار اور ہردلعزیز شخصیت الشیخ اسماعیل محمد مالدیپی جامعہ میں 28 سال کا طویل عرصہ درس وتدریس میں گزارنے کے بعد 16 مارچ 2005 بروز بدھ اپنے ملک مالدیپ واپس جارہے تھے۔ ان کے اعزاز میں اگرچہ گذشتہ تقریباً ایک ماہ سے ہی دعوتوں اور تقریبات کا اہتمام کیا جارہا تھا۔ خود انہوں نے بھی جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کو ظہرانہ دیا۔ لیکن ان کے اعزاز میں الوداعی تقریب تو کئی لحاظ سے منفرد ہوگئی۔ اساتذہ وطلبہ اپنے مشفق ساتھی واستاد کے شایان شان تقریب کے انعقاد کیلئے ایک ہفتہ سے ہی تیاریوں میں مصروف تھے۔ خصوصاً پرنسپل جامعہ چوہدری محمد یٰسین ظفر صاحب تو طعام ونوم سے بے نیاز اس تقریب کو بہتر سے بہتر کرنے میں ہی لگے ہوئے تھے۔ ان کی محنت کا ثمر تقریب میں واضح جھلک رہا تھا۔ (اس سے زیادہ کچھ کہنے سے شاید میرے بھی "پر" جلتے ہیں کہ ہم ایسے معاشرہ میں جی رہے ہیں کہ جہاں کسی کی خوبیوں کے اعتراف کو خوشامد، مشورہ کو مخالفت اور اختلاف رائے کو دشمنی وعداوت سمجھا جاتا ہے)

پروگرام اگرچہ ظہر کی نماز کے وقت تھا لیکن 16 مارچ بروز بدھ کی صبح ہی سے اس کا اہتمام شروع ہوگیا۔ جامعہ کو خوبصورت بینروں سے سجادیا گیا بینر اور ان کیلئے مناسب جگہ کا انتخاب طلبہ جامعہ کے حسن ذوق کی عملی تصویر بن گئے کہ جسے کوئی بھی دیکھنے والا سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ معزز اساتذہ کرام بھی خوشی وغمی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ قدم قدم پر طلبہ کی راہنمائی کرتے نظر آئے۔ نماز ظہر کے بعد جامعہ کی وسیع وعریض مسجد میں تقریب کا باقاعدہ آغاز شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے فرمایا۔ اس تقریب میں جامعہ سلفیہ ٹرسٹ کے اراکین، اساتذہ وطلبہ جامعہ کے علاوہ خصوصی طور پر نائجیرین سفیر مسٹر عمر الغاش صاحب اور بلتستان سے مولانا عبدالواحد صاحب اور عبدالرحمٰن المحمود صاحب نے خصوصی شرکت کی۔ تقریب سے حافظ مسعود عالم صاحب، چوہدری محمد یٰسین ظفر صاحب، مولانا محمد یوسف انور صاحب نائجیرین سفیر، میاں نعیم الرحمٰن طاہر صاحب اور خود فضیلۃ الشیخ اسماعیل محمد مالدیپی صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔ آخر میں شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ تعالیٰ نے دعا فرمائی۔ مجھے ان سطور میں اس تقریب کی کاروائی سنانا مقصود نہیں کیونکہ اسے الگ شائع کیا جارہا ہے۔ ان سطور میں مجھے صرف وہ احساسات عرض کرنا ہے کہ جو اس تقریب میں خصوصی طور پر نمایاں تھے۔ وہ معزز اساتذہ کرام کہ جنہوں نے مسلسل 28 سال شیخ صاحب کے ساتھ گزارے وہ اس بات پر افسردہ تھے کہ ان کا ایک بہترین ساتھی ان سے جدا ہورہا ہے۔ جس سے انہیں 28 سال میں کوئی تکلیف پہنچنا تو درکنار ان سے کوئی شکایت بھی پیدا نہیں ہوئی وہ طلبہ کہ جن میں سے بعض اس وقت جامعہ میں استاد کی مسند پر فائز ہیں ان کی شفقتوں، محبتوں اور طریقہ تعلیم وتدریس کو یاد کرکے ماضی کو کریدنے کی کوشش کررہے تھے۔ انتظامیہ الگ سے غم کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ اور اس وقت تو فضا بہت جذباتی ہوگئی جب صدر جامعہ میاں نعیم الرحمٰن طاہر نے یہ فرمایا کہ شیخ میرے والد محترم کے ساتھ دن رات جامعہ کی ترقی کیلئے کوشاں رہے اس وجہ سے مجھے ان سے خصوصی محبت بھی ہے اور میں جب انہیں دیکھتا ہوں تو مجھے والد محترم میاں فضل حق رحمۃ اللہ علیہ یاد آجاتے ہیں۔ خود شیخ مالدیپی صاحب نے اپنے خطاب میں یہ فرمایا کہ میں نے جس طرح زندگی کا بہترین حصہ جامعہ کی خدمت میں گزارا ہے میرا جی تو نہیں چاہتا تھا کہ اس جگہ اور ساتھیوں کو چھوڑ کر چلا جاؤں لیکن خاندان اور رشتہ داروں کی مجبوریوں کی وجہ سے مجھے یہ کڑوے گھونٹ نگلنا پڑے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود بھی اپنی اپنی جگہ خوش تھے کہ ہم اپنے ساتھی، استاد اور محسن کو اعزاز کے ساتھ الوداع کررہے ہیں اور شیخ محترم بھی خوش تھے کہ میرے ساتھی مجھ سے کس طرح والہانہ محبت کا اظہار کررہے ہیں۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ قدرت کا فطری نظام کس قدر انسانی طبائع کے موافق ہے کہ یہ غم محسوس ہونے کے باوجود اس کا اظہار نہیں کرتا اور خوشی پالینے کے باوجود آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ کہ خوشی کے ساتھ ساتھ غم بھی موجود ہے۔

آپ غور کیجئے! کہ جب ایک باپ اپنی بیٹی کو، بھائی اپنی بہن کو عزیز واقارب اپنی عزیزہ کو نکاح کے بعد شادی کرکے رخصت کرتے ہیں تو ان کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ کہ جانے والی بھی اور بھیجنے والے بھی سب بڑے چھوٹے غم کی وجہ سے رو رہے ہوتے ہیں بعض اوقات لے جانے والے بھی اس میں شرکت کرلیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خوش بھی ہوتے ہیں اور مبارکیں وصول کررہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرکے ایک فرض سے سبکدوش ہوگئے ہیں اس بہن اور بیٹی کی رخصتی فطرت کے مطابق ہوئی تو دکھ اور کرب کے ان حالات میں بھی خوش ہیں۔ اس کے مقابلہ میں وہ عورتیں جو یقیناً کسی کی بیٹی اور بہن تو ضرور ہوتی ہیں ان کے بھی عزیز واقارب اور رشتہ دار ہوتے ہیں مگر جب وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کی مخالفت کرتے ہوئے والدین کی عزت کو خاک میں ملاتے ہوئے کسی دوسرے کے ساتھ گھر سے نکلتی ہے تو پھر بے شک عدالتیں اس کے فرار کو کورٹ میرج کے نام پر تحفظ فراہم کردیں یا کچھ مذہبی بہروپیئے نکاح میں ولی کی شرط ختم کرکے لڑکیوں کو فرار کی راہ دکھائیں لیکن وہ ہمیشہ ماں، باپ کے شفقت بھرے ہاتھوں پیار نہیں لے سکتیں۔ اور وہ بھائیوں کی محبت اور رشتہ داروں کی ہمدردیوں سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوجاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ذہن میں یہ بات بھی بار بار آرہی تھی کہ وہ حکمران، عدلیہ کے جج صاحبان یا میڈیا کے کردار مدیر، نامہ نگار، کالم نویس، رپورٹر اور مبصرین جو قوم کی [illegible] گھروں سے بھاگ جانے اور خود اپنا گھر بسانے اور جیون ساتھی تلاش کرنے کی نہ صرف ترغیب دیتے بلکہ اس کی راہ بھی ہموار کرتے ہیں۔ جج صاحبان ایسے آوارہ جوڑوں کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتے ہیں اور میڈیا کے کرداروں کا تو کہنا ہی کیا یہ تو شاید اخلاق، شرم، حیا اور غیرت کا معنی ہی نہیں جانتے۔ الا ماشاء اللہ۔ کیا ان سب کی بہن یا بیٹیاں نہیں ہیں یا ان کے دل ودماغ غیرت نام کی چیز سے ناآشنا ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ اگر تمہاری بہن یا بیٹی بھاگ جائے تو کیا پھر بھی تم اس کی حوصلہ افزائی کروگے اور اسے روشن خیالی کا نام دوگے؟ کیا پھر بھی تم اسے نہ صرف کہ قانونی ریلیف دوگے بلکہ پولیس کو بھی آڈر کروگے کہ اس جوڑے کو تنگ نہ کیا جائے۔ اور بعض اوقات تو والدین کے خلاف حبس بے جا کا مقدمہ بھی بنوادیا جاتا ہے۔ کیا پھر بھی تم مختلف انداز سے ان کی تصاویر اور بیانات یا تبصرے شائع کروگے؟ جن کے متعلق تم نے یہ رویہ اختیار کررکھا ہے وہ بھی تو کسی کی بہن کسی کی بیٹی ہے اس سے یہ سلوک کیوں؟ یہ بات علی وجہ البصیرت کہی جاسکتی ہے اگر علماء کرام قرآن وحدیث کی تعلیم کے خلاف نکاح میں ولی کی شرط نہ ہونے کا فتویٰ نہ دیں۔ حکمران بے غیرتی اور بے حیائی کو روشن خیالی کا تصور نہ دیں۔ جج صاحبان ایسے مجرم جوڑوں کو تحفظ فراہم نہ کریں بلکہ ان کی حوصلہ شکنی کریں اور میڈیا کے کردار ایسے حیاباختہ جوڑوں کو "ہیرو" بنا کر پیش نہ کریں تو یقیناً یہ معاشرہ اس ناسور سے پاک ہوسکتا ہے جو معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے کہ ہر روز اخبارات عدلیہ کے ایسے فیصلوں سے مزین ہوتے ہیں۔